

## میرانیس کے مرثیوں میں درس اخلاق

ڈاکٹر لائق فاطمہ نقوی

صدر شعبہ اردو

ایونگ کرشچین کالج۔ الہ آباد (انڈیا)

یہ حقیقت روزِ روشن کی مانند عیاں ہے کہ اردو زبان و ادب میں چند ایسے بلند مرتبہ شاعر ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے فنکارانہ اندازِ بیان کے ذریعہ اردو کی مختلف اصنافِ سخن کو اعتبار و وقار بخشا ہے ایسے ہی بلند مرتبہ شاعروں میں میرِ بر علی انیس کا شمار ہوتا ہے۔ اردو شاعری میں میرانیس کا مرتبہ بہت بلند ہے جس کو ساری دنیا نے تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اپنی بلندیِ تخیل، الفاظ کی خوبصورت نقاشی اور مشاہدہ کی بے پناہ قوت کی بنیادوں پر مرثیہ جیسی صنفِ شاعری کو تمام دنیا کے شعری سرمایہ کا ہم پلہ بنا دیا اور اس قول کو کہ بگڑا شاعر مرثیہ گو ہوتا ہے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ انہوں نے مرثیہ کے قالب میں جدت کی نئی روح پھونک کر اس کو خوبصورت پھولوں کا گلدستہ بنا دیا۔ ایک ہی پھول میں سیکڑوں رنگ اس انداز سے بھرنا کہ ہر رنگ اتنا پُرکشش ہو کہ دیکھنے والے پر محویت طاری ہو جائے، یہ فن میرانیس ہی کا ملکہ ہے۔ بقول سید مسعود حسن رضوی ادیب:-

”حقیقت یہ ہے کہ معنوی حیثیت سے یا تاثرات کے اعتبار سے شاعری کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں انیس کے مرثیے اُن سب پر

حاوی ہیں۔“<sup>۱</sup>

میرانیس کو مرثیے کے تجویزی بیان پر مکمل مہارت حاصل ہے۔ چاہے وہ شعر میں بلاغت کا معاملہ ہو یا فصاحت کا، واقعہ نگاری ہو یا جذبات نگاری، منظر کشی ہو یا رزم و بزم کا ہنگامہ، ان کی سحر انگیز جادو بیانی ہر جگہ پر ایک کرشمہ سادکھاتی نظر آتی ہے۔ ان اوصاف کے علاوہ میرانیس کے مرثیوں کی ایک سب سے نمایاں، اہم اور قابل ذکر خوبی اُن کے مرثیوں میں اخلاقیات کی آمیزش ہے۔ کیونکہ بقول ڈاکٹر رفیق حسین:

”انہوں نے مرثیہ گوئی کو روحانی معرفت کا درجہ دیا۔ عوام و خواص میں اس کی مقبولیت میں اضافہ کیا۔“<sup>۲</sup>

اس حقیقت سے دنیا کا کوئی بشر انکار نہیں کر سکتا کہ مرثیوں کے ذریعہ معاشرے کی درستگی اصلاح کا کام جتنے حسن و خوبی کے ساتھ میرانیس نے کیا ہے وہ کسی دوسرے شاعر کے بس کی بات نہیں ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اردو شاعری کے بلند پایہ نقاد خواجہ الطاف حسین حالی نے، جنہوں نے اردو کی قریب قریب ہر صنفِ سخن پر انگشت نمائی کی ہے، انہوں نے بھی انیس کے مرثیوں کو اخلاق کا نائبِ مناب قرار دیا ہے۔ مقدمہ شعر و شاعری میں وہ میرانیس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اس خاص طرز کے مرثیہ کو، اگر اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی ہمارے نزدیک اردو شاعری میں اخلاقی نظم کہلانے کا مستحق

صرف انھیں لوگوں کو کلام ٹھہر سکتا ہے۔ بلکہ جس اعلیٰ درجہ کے اخلاق ان لوگوں نے مرثیہ میں بیان کئے ہیں ان کی نظیر فارسی بلکہ

عربی شاعری میں بھی ذرا مشکل سے ملے گی۔“<sup>۳</sup>

در اصل انیس نے اپنے دور کے بگڑے حالات کو محسوس کر کے اپنے مرثیوں میں مصائبِ حسین و کردارِ حسین کے ذریعہ اخلاق کا پرچم بلند کیا۔ ان کے

مرثیوں میں اخلاقی نظریات پر سید مسعود حسن رضوی ادیب نے بھی روشنی ڈالی ہے:

”اخلاقی شاعری کے اعتبار سے انیس کے مرثیوں کا پایہ بہت بلند ہے۔ ان کے تمام کلام میں بلند اخلاق کی ایک لہر دوڑی ہوئی ہے۔ جن اخلاق فاضلہ کی تعلیم انیس کے مرثیوں سے ہوتی ہے وہ اخلاق و نصائح کی کتاب یا وعظ و پند کے ذریعہ سے ممکن نہیں۔ نفس انسانی کی انتہائی شرافت کے نقشے جن موثر پیرایوں میں کھینچے ہیں اُن کا جواب ممکن نہیں اور ان کو انتہائی رذالت کی تصویروں کے مقابلہ میں رکھ کر اُن کے اثر کو اور بھی قوی کر دیا ہے۔ حسین اور رفیقان حسین کی سیرتوں میں اخلاقی حسن کی انتہا اس حسن سے دکھائی ہے اور اُن کے اعمال و افعال کے ذریعہ سے دکھائی ہے کہ وہ حسن اخلاق کے محض خیالی پیکر ہو کر نہیں رہ گئے ہیں بلکہ قابل تقلید نمونے بن گئے ہیں۔ بلند اخلاق کی انتہا کے ساتھ اُن میں وہ کمزوریاں بھی دکھائی ہیں جو لازمی بشریت ہیں لیکن بد اخلاقی کی حد سے بہت دور ہیں۔ یہی کمزوریاں اُن اخلاق کے پُتلوں کو ہم سے قریب تر کر کے ہماری محبت اور ہمدردی کا رخ اُن کی طرف موڑ دیتی ہیں۔ کبھی کبھی میر انیس نے اخلاق کی تعلیم براہ راست پند و موعظت کے ذریعہ سے بھی دی ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتے بلکہ بلند اخلاق کے نہایت دلکش نمونے پیش کر کے ہم کو اُن کی تقلید پر راغب کرتے ہیں اور اس طرح کی بالواسطہ اخلاقی تعلیم سے اُن کے مرثیے کا کوئی مقام خالی نہیں ہوتا۔ انیس کے کلام میں وقار اور تمکین کی ایک خاص شان نظر آتی ہے۔ اُن کے بیانات میں اور اُن کے ہیرو کے افعال و اقوال میں کہیں ابتذال اور چھچھورا پن نہیں پایا جاتا۔“

اسی طرح ڈاکٹر منیر الزماں نے بھی میر انیس کے مرثیوں کی اخلاقی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”میر انیس تو کر بلا کے ایسے واقعات کو اپنا موضوع بنائے ہوئے تھے جو اخلاقی قدروں کا مخزن تھا۔ اخلاق اور بد اخلاقی کا تصادم ہی اس واقعہ کا خلاصہ ہے۔ اس لئے جا بجا مردوں، عورتوں اور بچوں کے حرکات و سکنات، گفتگو اور عمل سے ان قدروں کا اظہار ہوتا ہے۔ جن کو آگے بڑھانے کے لئے کر بلا والوں نے قربانی دی۔ اگرچہ کہیں کہیں میر انیس نے براہ راست بھی بعض اخلاقی مسائل کی طرف متوجہ کیا ہے۔ لیکن بیشتر اُن کا رویہ واعظ کا نہیں بلکہ بالواسطہ اخلاقی مسائل کی وضاحت اور انسانی زندگی میں شرافت، اچھائی، خدا پرستی، عالی ہمتی، سخاوت، ہمدردی، ایثار وغیرہ کی اہمیت کا واقعات اور کرداروں کے ذریعہ ابھارنا ہے۔“

میر انیس نے اپنے مرثیوں میں زندگی کے ہر طرح کے مسائل بیان کر کے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ لہذا لازمی طور پر بعض ایسے اخلاقی مسائل کا تذکرہ بھی آیا ہے جس سے نہ صرف مرثیے کے کرداروں کے اخلاقی تصورات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ خود شاعر کے خیالات بھی واضح ہوئے ہیں۔ مرثیاتی انیس میں جا بجا ایسے مقامات آئے ہیں جہاں تذکرہ اسلامی اخلاق کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ میر انیس کے مرثیوں میں خیر و شر کا تصادم ہے اور اس تصادم کے بیان میں کبھی اسلام اور کفر کی اور کبھی حق و باطل کی آویزش صاف نظر آتی ہے۔ اُن کے یہاں خدا کے عقیدے کی نوعیت بھی سامنے آتی ہے اور اخلاقی محاسن اور معائب کی مصوری بھی ہوتی ہے۔ دراصل مرثیوں کو اخلاقی جوہر سے مالا مال کرنے میں ہی میر انیس نے اپنا زور بیان صرف کیا ہے۔ میر انیس کے مرثیوں کو پڑھتے وقت، ان کی اخلاقی تعلیم کی آمیزش سے گمان ہوتا ہے گویا خدا نے انیس کی فطرت میں ہی درس اخلاق و دلیعت کیا تھا۔ کیونکہ اُن کا کوئی بھی مرثیہ اخلاقی تعلیم کے ذکر سے کسی بھی حالت میں فرو گذاشت نہیں کرتا۔ میر انیس کا اردو شاعری پر یہ احسان ہے کہ جن اخلاقی نظریات و تعلیمات کو دوسرے شعراء نے غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیا تھا، میر انیس نے انہیں ہم تک اپنے مرثیوں کے ذریعہ پہنچا دیا ہے۔ جن لوگوں سے اچھے افعال سرزد ہوئے ہیں میر انیس نے مرثیوں میں اُن کی تحسین و آفرین کی ہے اور کچھ اس انداز سے کی ہے کہ دوسروں کے لئے ایک نمونہ عمل قائم ہو جاتا ہے اور جہاں کسی سے معیار اخلاق کے خلاف کوئی فعل سرزد ہوتا ہے تو وہ اُس پر نکتہ چینی اور لعنت و ملامت کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ سرسری اور ہلے پھلکے موقع پر بھی وہ اپنے فرض سے غافل نظر نہیں آتے۔

میر انیس نے اپنے مرثیوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو صبر و شکر، عدل و انصاف، ایقائے عہد، عزم و استقلال، غرضکہ جزوی محاسن اخلاق کا حامی

قرار دیا ہے اور اُن کے معیار کو نہایت بلند قائم کر کے دکھایا ہے۔ اُن کے مرثیوں کو پڑھتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے گویا یہ مرثیے اخلاقی تعلیم کے پیش بہا خزانے ہیں۔ ان کے مرثیوں میں ہر مقام پر اعلیٰ اخلاق کی ایک لہر موجزن نظر آتی ہے۔ اخلاقی شاعری کے لحاظ سے مراٹھی انیس کا پایہ اس قدر بلند ہے کہ اگر اس طرح کہا جائے کہ اُن کے مرثیوں میں عنصر اخلاق بجائے روح کے کارفرما ہے تو کچھ بیجا نہ ہوگا کیونکہ میر انیس نے امام حسین علیہ السلام اور اُن کے عزیز و اقرباء کی شرافت نفس کے نقشے ہمارے سامنے کچھ ایسے موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ اُن کے نقوش دل کی گہرائیوں تک اتر جاتے ہیں۔ وہ حُسن اخلاق کے محض خیالی مرقع نہیں بلکہ اہل دنیا کے لئے قابل تقلید نمونے بن گئے ہیں اور جن کی مثالوں سے صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ ہر قوم و ملت کے لوگ مستفیض ہو سکتے ہیں۔

میر انیس جب امام حسین علیہ السلام اور اُن کے عزیزوں کی سیرتیں پیش کرتے ہیں تو اخلاقی حُسن ہم کو اپنی انتہائی منزلوں پر چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ سیرتیں حُسن اخلاق کی محض خیالی مرقع نہیں بلکہ عوام و خواص کے لئے قابل تقلید نمونے بن گئے ہیں۔ حالانکہ انیس نے اخلاق کی تعلیم اکثر پند و نصائح کے پیرائے میں بھی دی ہے۔ لیکن زیادہ تر اخلاقی تعلیمات کے نہایت بلند و برتر نمونے پیش کرتے ہوئے ہم کو اُن کی تقلید پر بھی مائل کیا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ اُن کے مرثیوں میں بلند مقاصد اور وقار کی ایک خاص شان نظر آتی ہے۔

میر انیس کی مرثیہ نگاری کا مقدم پہلو اور نظریہ اخلاقی تھا۔ چونکہ وہ شریعت اسلام کے پیرو تھے اس لئے اُن کے مرثیوں میں مذہبی جذبات کی فراوانی ہے۔ اُنکے ہر و حضرت امام حسین علیہ السلام اور اُن کے عزیز و اقرباء مصیبت کے وقت بھی ہر قدم پر خدا کو یاد رکھتے ہیں کیونکہ اُن کی زندگی کا مقصد ہی زمین پر خُدا کی خدائی کو قائم رکھنا تھا۔ اس لئے امام حسین علیہ السلام اور اُن کے ساتھی و رفقاء کبھی بھی حمد خدا سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن سے اس بات کا اندازہ ہو جائے گا کہ جس قسم کے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے تھے اُنہی ہی عمدہ مناسب اور پاکیزہ الفاظ بھی اُن کے اظہار کے لئے میر انیس نے استعمال کئے ہیں۔ مثالیں پیش نظر ہیں۔

وہ مُصلّے کہ زباں جن کی حدیث و قرآن  
وہ نمازی کہ جو ایماں کے تن پاک کی جاں  
زاد ایسے تھے کہ ممتاز تھے ابراروں میں  
عابد ایسے تھے کہ سجدے کے تلواروں میں  
ذکر خالق میں جو کب اُنکے ہلے جاتے تھے  
خُچے فردوس کے شادی سے کھلے جاتے تھے  
اس مصیبت میں نہ پایا کبھی شاکِ اُن کو  
آبر و ساقی کوثر نے عطا کی اُن کو  
وہ تَخَفّ و تَضَرّع وہ قیام اور وہ قعود  
وہ تذلل وہ دُعائیں وہ رکوع اور وہ سجود  
یا حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود  
یہ دُعا خالق اکبر سے کہ اے ربّ وودود  
یوں لٹیں ہم کونہ آل اور نہ اولاد رہے  
مگر اُحمد کے نواسے کا گھر آباد رہے  
موم نواں دھول آوازوں میں وہ سوز و گداز

اپنے معبود سے سجدوں میں عجب راز و نیاز  
سُرتو سجادوں پہ تھے عرشِ معلیٰ پہ نماز  
شیرِ دل، منتخبِ دہر، وحید و ممتاز  
چاند شر مندہ ہو چہرے متجلی ایسے  
نہ امام ایسا ہوا پھر نہ مصلیٰ ایسے

مندرجہ بالا اشعار میر انیس کے ایک بہت ہی مقبول و معروف مرثیہ ”نمک خوانِ تکلم ہے فصاحت میری“ سے اخذ کئے گئے ہیں۔ تین دن کی بھوک اور پیاس کے باوجود عاشور کی صبح ”یادِ حق دل میں تو سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ درود“ ایسی بے مثال عبادت اور یادِ خدا میں سرشار رہنا اہلیت ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایک اور مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شبِ آفتاب نے“ سے امام حسین علیہ السلام اور ان کے رفیقوں کی اطاعت و عبادت کی چند مثالیں پیش خدمت ہے۔

وہ صبح اور وہ چھاؤں ستاروں کی اور وہ نور  
دیکھے تو غش کرے اُرنی گوئے اوجِ طور  
پیدا گلوں سے قدرت اللہ کا ظہور  
وہ جا بجا درختوں پہ تسبیحِ خواں طہور  
گلشنِ نخل تھے وادی میں واساس سے  
جنگل تھا سب بسا ہوا پھولوں کی باس سے  
چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار  
اے دانہ کش ضعیفوں کے رازِ ترے نثار  
یا سَی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار  
تہلیل تھی کہیں، کہیں تسبیحِ کردگار  
طاہر ہوا میں محو، ہر ن سبزہ زار میں  
جنگل کے شیر ہو مک رہے تھے کچھار میں

میر انیس نے ان بندوں میں جس فنکارانہ خوبی سے صبح کی نماز کی ادائیگی کا منظر کھینچا ہے اس سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کسی بھی لمحہ فریضہِ خداوندی سے نہ صرف خود غافل نہ ہوئے بلکہ اپنے انصار و احباب کو بھی وقتِ سحر، فریضہِ سحری ادا کرنے کی نصیحت کرتے ہیں اور شاید یہ مولا کی نصیحت و رغبت ہی کا اثر ہے کہ قمریاں، کوکڑ، ہر پھول، ہر پتہ، طاہر اور حد ہے کہ چیونٹی تک حمدِ خدا میں مشغول ہو گئی ہے۔ ان اشعار سے میر انیس کے حُسنِ تربیت اور جمالِ فطرت سے لطف اندوزی کے سلیقے کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور اخلاقی درس بھی ملتا ہے کہ یادِ خداوندی کے بغیر ہماری زندگیاں کبھی کامیاب و کامران نہیں ہو سکتیں۔

یہ تو تھی خاندانِ نبوت کی صبح کی رَوق و عزت و حرمت۔ اب آئیے ذرا ایک نظر حضرت امام حسین علیہ السلام کی اُس نمازِ آخری پر بھی ڈال لیں جو انھوں نے کربلا کی میدان میں اکہتر (۷۱) شہیدوں کے داغِ مفارقت اٹھانے کے بعد تیرہ اور تلواروں کے بیچ میں ادا کیا۔ میر انیس کے مرثیہ ”جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوفِ حرم کی“ سے اخذ کئے گئے چند بند ملاحظہ ہوں۔

جلدی ہے یہ کیوں قتل کی اے فرقہ بے پیر  
کیا چھوڑ کے مقتل کو چلا جائے گا شبیر  
اُترا ہوں فرس سے کہ چلی حلق پہ شمشیر  
پڑھ لوں میں نماز اتنی کر قتل میں تاخیر  
سجدے میں شہادت ہو امام دوسرا کی  
یہ ذکر رہے فرض ادا کر کے قضا کی  
شمر آیا جو حضرت کے قریں کھینچ کے خنجر  
دیکھا سر مجروح ہے سجدے میں زمیں پر  
بڑھ کر یہ سواروں کو پکا را وہ ستمگر  
نیزوں سے الٹ دو تن فرزند پیہر  
یہ سن کے قدم سب نے زد و کشت پہ مارا  
نیزہ بن اشعث نے ادھر پشت پہ مارا

مندرجہ بالا اشعار میں خیر اور شر یعنی اخلاقی اور بد اخلاقی کے تضاد کو میر انیس نے بڑی حسن و خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔ چونکہ امام حسین علیہ السلام کے اس جہاد کا مقصد ہی اپنے نانا کے دین اسلام کی حفاظت کرنا تھا اس لئے مولانا نے تیر و تلوار، نیزہ و تبر کی بارش میں بھی نماز جیسی اہم اور اول فریضہ واجب کو ادا کر کے دنیا کو دکھا دیا کہ دیکھو! چاہے کتنا ہی بُرا وقت کیوں نہ آئے لیکن نماز کی ادائیگی میں لا پرواہی نہ کرنا۔ ان بندوں میں جہاں حضرت امام حسین علیہ السلام کی بے چارگی، بے بسی، دشمنوں کا آمادہ قتل ہونا وغیرہ کا ذکر ہے وہیں میر انیس نے نماز کی اہمیت اور کسی بھی حالت میں نماز قضا نہ کرنے کی بھی نصیحت، ایک عملی نمونہ کے ذریعہ کی ہے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یہ عظیم تر قربانی پیش کر کے دنیا میں ایک ایسی لازوال مثال پیش کی ہے جس کی نظیر بہ مشکل تمام ملے گی کہ حق کی خاطر جان و مال قربان کرنا ہی اخلاقیات کی بقاء کا ضامن ہے۔

میر انیس نے اپنے مرثیوں میں بے ثباتی حیات اور بے ثباتی دنیا کا تھوڑی بڑی وضاحت اور تاثر کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے مثبت اقدار زندگی کے تھوڑے رات کو اپنے مرثیوں کا موضوع بنایا ہے۔ ان کی نظر میں یہ دنیا ایک مقامِ عبرت ہے۔ اس سرائے فانی میں عیش و عشرت کے تمام سامان بے حقیقت اور بے معنی ہیں۔ مرثیہ انیس، حرص و ہوس کی مذمت، عقوبت کی اہمیت، غرور و تکبر کی مذمت، حق پرستی، نیک اعمال کی ترغیب، فقر کی بلندی، دولت کی مذمت وغیرہ جیسی اخلاقی باتوں سے پُر ہیں۔ نمونے کے طور پر میر انیس کے ایک مرثیہ ”اے مومنو! مصروف رہو یا دِ خدا میں“ سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

اے مومنو! مصروف رہو یا دِ خدا میں  
جینے کا بھروسہ نہیں اس دارِ فنا میں  
اوقات کرو صرف عزائے شہداء میں  
سرگرم رہو نالہ و فریاد و بُکا میں  
غافل نہ ہو مل جائے جو وقفہ کوئی دم کا  
نزدیک ہے دنیا سے سفرِ ملکِ عدم کا  
اُمید نہیں جینے کی یاں صبح سے تا شام

ہستی کو یہ سمجھو کہ ہے خورشید لب بام  
یاں کام کرو ایسا کہ آئے جو وہاں کام  
آپنچے خدا جانے کب موت کا پیغام  
اپنی نہ کوئی ملک نہ ا ملاک سمجھنا  
ہونا ہے تمھیں خاک، یہ سب خاک سمجھنا  
ہیں زیرِ زمیں صاحبِ تخت و علم و تاج  
جو صاحبِ نوبت تھے نشان اُن کے نہیں آج  
جو شاہ کے شاہوں سے سدالیتے رہے باج  
وہ بعد فنا آپ کفن کے رہے محتاج  
درویش و غنی اس کے ہمیشہ رہے شاکی  
بتلاؤ کہ دُنیا نے کسی سے بھی وفا کی  
اس زیست کو بھولو نہ اجل کو بھی کرو یاد  
گھر سیکڑوں یاں سیلِ وفانے کئے برباد  
دُنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد  
اس قالبِ خاکی کی عجب سُست ہے بُیاد  
کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیرِ زمیں ہیں  
ہے خاک کا ڈھیر اب نہ مکاں ہے نہ کیس ہیں

ان اشعار میں زندگی اور فنا کے متعلق ایک ایسا اخلاقی درس موجود ہے کہ اگر پڑھنے والا اس کو سمجھے اور عملی طور پر اپنی زندگی اس نصیحت کے ذریعہ بنانے اور  
سنوارنے کی کوشش کرے تو اُسے تاریکی سے روشنی کا سفر نصیب ہو جائے۔  
ان اشعار میں بے ثباتی دنیا کی جانب بلوغ اشارے کئے گئے ہیں:-

بہنا جہاں میں اشرف آدم تو تھے نبیؐ  
اللہ نے انھیں بھی نہ دی عمرِ سرحدی  
رحلت جہاں سے فاطمہؑ نے صغیرؑ میں کی  
کس ظلم سے شہید ہوئے مرقضی علیؑ  
سارے بزرگ تابعِ امر خدا رہے  
نہ میں رہوں گا نہ حسن مجتبیٰ رہے

میر انیس کی مرثیہ نگاری کی اخلاقی خصوصیات میں حفظِ مراتب کا توازن قائم رہنا بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ میر انیس افرادِ مرثیہ کو ہمیشہ حفظِ مراتب  
کے پیکر میں ہمارے سامنے نہایت موثر طریقہ سے پیش کرتے ہیں۔ اس ضمن میں سید مسعود حسن رضوی ادیبِ رقم طراز ہیں:-

”وہ جس موقع پر جو کام جس شخص سے لیتے ہیں اور جو بات جس سے کہلاتے ہیں وہ اُس کے لئے موزوں ہوتی ہے۔ یہ صفت میرا نئیس کے کلام میں اس قدر نمایاں ہے کہ لکھنؤ کے جہلا کی زبان پر بھی یہ جملہ جاری ہے کہ میرا نئیس کے یہاں حفظِ مراتب بہت ہوتا ہے۔۔۔ میرا نئیس جب دو شخصوں کی گفتگو لکھتے ہیں تو الفاظ، طرزِ کلام اور لب و لہجہ میں متکلم اور مخاطب دونوں کی عمر، صنف، سیرت حیثیت، وقتی قلبی کیفیت گفتگو کے موقع اور اُن کے باہمی تعلقات کا لحاظ رکھتے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام اور اُن کے اقرباء کی گفتگو میں جو فصاحت، تہذیب، متانت میرا نئیس نے دکھائی ہے اُس کا جواب کہیں نہیں ملتا۔“ ۶

میرانیس جب کسی واقعہ کا بیان کرتے ہیں تو جس سن و سال، درجے، صنف اور مرتبے کے لوگوں کا ذکر لاتے ہیں اسی قسم کے طرزِ خیال، اور طرزِ گفتگو کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مثلاً مرد و عورت، آقا و غلام، بچے جو ان اور بوڑھے وغیرہ سب کی گفتگو میں اُن کی عمر، تجربہ اور مرتبے کا ہر جگہ خیال رکھتے ہیں۔ جس کردار کی زبان سے انھیں جو خیال ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے وہ اس کی حیثیت، اندازِ گفتگو اور لب و لہجہ کا پورا پورا آئینہ بردار ہوتا ہے۔ پروفیسر سید فضل امام کے اِس بیان سے میری اس تحریر کو زیادہ وقعت حاصل ہوگی۔ وہ لکھتے ہیں:-

”میرا نیس جذبات کے مختلف مدارج کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ جن حالات میں جس شخص میں اس کی عمر و سال کے لحاظ سے، اس کے رشتہ کے جو جذبات پیدا ہوتے ہیں اور جو فطری جذبے کے تحت آتے ہیں اور جس حد تک پیدا ہوتے ہیں میرا نیس نے انہیں جذبات کو اُس شخص میں اُس کی عمر و سال کے لحاظ سے اس کے رشتہ کو ملحوظ رکھ کر اسی حد تک کیفیات اور جذبات کے نتائج دکھلائے ہیں“

”-----مراثی انیس کے کرداروں میں کمسن بچے، نوجوان، جوان، بوڑھے، مرد، عورت، بھائی بہن، بیٹی، ماں، باپ، بیٹا، احباب اور رفیق اور بیوی سبھی ہیں۔ ان میں حفظ مراتب کے پیش نظر درجے متعین کرنا آسان کام نہیں۔ یہ کردار تشریح اور استقرائی دونوں طرح سے اُجاگر ہوتے ہیں ان میں مکمل اور غیر مکمل دونوں طرح کے کردار نمایاں ہیں۔ یہ خیر اور شر، حق و باطل، دونوں طرح کی نمائندگی کرتے ہیں جس سے اُن کا فلسفہ حیات بھی واضح ہوتا ہے۔“ ۵

ایک مرثیہ ”جب قطع کی مسافت شبِ آفتاب نہ“ میں میرا نیتس نے جنابِ زینبؓ کے دونوں بچوں عون اور محمدؓ کے کردار کو ان کی عمر کے مطابق پیش کیا ہے۔ اس میں موقع یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو اپنے لشکر کے لئے علم برداری کے عہدے پر کسی کو منتخب کرنا ہے۔ بچے چونکہ ابھی کم سن اور نا سمجھ ہیں اس لئے وہ اتنی بڑی ذمہ داری کے نشیب و فراز کو نہیں سمجھ پاتے اور اُمید رکھتے ہیں کہ ماموں (حضرت امام حسین علیہ السلام) علم انھیں کو دیں گے۔ اس واقعہ کو بیان کرنے میں میرا نیتس نے حفظِ مراتب کو ملحوظ رکھ کر جو الفاظ بچوں سے اور اُس کے بعد ان کی ماں جنابِ زینبؓ کی زبان سے ادا کئے ہیں اُس کی مثال بے نظیر ہے۔ نمونے کے طور پر چند بند پیش نظر ہیں۔

گہ ماں کو دیکھتے تھے کبھی جانبِ علم  
نعرہ کبھی یہ تھا کہ نثارِ شہِ اُمم  
کرتے تھے دروڑوں بھائی کبھی مشورے بہم  
آہستہ پوچھتے تھے کبھی ماں سے ذی حشم  
کیا قصد ہے علیؑ ولی کے نشان کا  
اُمّاں کسے ملے گا علمِ نانا جان کا



بچوں کے اس طفلانہ رویے سے جناب زینب انھیں اس طرح سمجھاتی ہیں۔

پھر تم کو کیا بُرگ تھے گر خیرِ روزگار  
زیبا نہیں ہے وصفِ اضافی پہ افتخار  
جو ہر وہ ہیں جو تیغ کرے آپ آشکار  
دکھلا دو آج حیدر و جعفر کی کارزار  
تم کیوں کہو کہ لعلِ خدا کے ولی کے ہیں  
فوجیں پکاریں خود کہ نواسے علی کے ہیں  
نرخے میں تین دن سے ہے مشکل کشا کا لعل  
انماں کا باغ ہوتا ہے جنگل میں پائمال  
پوچھنا یہ کہ کھولے ہیں کیوں تم نے سر کے بال  
میں لٹ رہی ہوں اور تمہیں منصب کا ہے خیل  
غنخوار تم مرے ہو نہ عاشقِ امام کے  
معلوم ہو گیا مجھے، طالب ہونا م کے

مندرجہ بالا اشعار میں میر انیس نے ایک طرف یہ دکھایا ہے کہ بچوں کو درسِ اخلاق اور نظامِ اخلاق سے کس طرح ماں روشناس کراتی ہے تو دوسری طرف ماں کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر بچے ڈر جاتے ہیں اور انھیں اپنی غلطی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ اس لئے بچے اپنی غلطی پر نادم ہو کر اس طرح ماں کو مناتے ہیں۔

ہاتھوں کو جوڑ جوڑ کے بولے وہ لالہ فام  
غصے کو آپ تھام لیں اے خواہرِ امام  
واللہ کیا مجال جو لیں اب علم کا نام  
کھل جائے گالڑیں گے جو یہ باوفا غلام  
فوجیں بھگا کے گنجِ شہیداں میں سونیں گے  
تب قدر ہوگی آپ کو جب ہم نہ ہونیں گے

اس بند میں میر انیس نے بچوں کی سعادت مندی بھی دکھائی ہے کہ وہ کس قدر اپنی ماں کے مطیع، فرماں بردار اور فرض شناس ہیں۔ اسی طرح ایک اور مرثیہ ”جب خر کو ملا خلعت پر خونِ شہادت“ میں جناب زینب اپنے بچوں کو ان کے نانا یعنی حضرت علی کی بہادری و جاں نثاری کے قصے سنارہی ہیں کہ کس طرح حضرت علی ہر موقع اپنے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام آتے تھے۔ وہ جنگِ خیبر و خندق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ۔

واری یوں ہی تم بھی مرے کام آؤ تو جانوں  
آقا کی اطاعت کو بجالاؤ تو جانوں  
ان چھاتیوں پر زخم سناں کھاؤ تو جانوں  
لڑ بھڑ کے جب اس فوج سے مر جاؤ تو جانوں



ماں نے جب بچوں کو شفیقا نہ انداز میں صبر و ضبط کی تلقین کی، جرأت و ہمت اور مروت و جلالت کا درس دیا اور یکجہتی کے ساتھ جنگ کرنے کی نصیحت کی تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے کے بچے بھی ٹپ کر ادب کے ساتھ طفلانہ انداز میں دلیرانہ جواب دیتے ہیں۔

دونوں نے کہا ہوگا یہی فصلِ خدا سے  
کیا بات ہے جیتے ہیں تو مرجائیں گے پیاسے  
ہم اور نہیں کوئی علی کے ہیں نواسے  
غافل نہ رہیں آپ غلاموں کی و غاسے  
کچھ ہم سے، نہ تلواریں سے، نہ ڈھال سے ہوگا  
جو ہوگا وہ سب آپ کے اقبال سے ہوگا

اسی طرح محبت اور خلوص، ایثار و قربانی، مہمان نوازی، عزت و احترام، صلہ رحمی، دوسروں کے دکھ و درد میں حصہ لینا وغیرہ کے بیان میں بھی میر انیس کا پوری اُردو شاعری میں کوئی مقابل نظر نہیں آتا۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ انسانی محبت کے ایک ایک گوشے کا بڑی باریک بینی سے مطالعہ کئے ہوئے تھے۔ مثال کے طور پر میر انیس کا مرثیہ ”جب شاہ کو مہلت نہ ملی طوف حرم کی“ ہی کو لے لیجئے۔ اس میں جب جناب حُر کا پیا سا لشکر حضرت امام حسین علیہ السلام کے قریب پہنچتا ہے اور جناب حُر حضرت امام حسین علیہ السلام سے پانی کے لئے فریاد کرتے ہیں تو یہ جانتے ہوئے بھی کہ حُر دشمن کی فوج کا سردار ہے اور امام حسین علیہ السلام کو مجبور کر کے کربلا جیسے بیابان جنگل میں لے جانے والا بھی ہے۔ ان سب باتوں سے آگاہ ہونے کے باوجود، جناب حُر کے سوالِ آب پر حضرت امام حسین علیہ السلام کا جواب اور عملِ خلوص و محبت اور ایثار و قربانی اُن کے بلند اخلاق کی نشاندہی کرتا ہے۔ چند بند ملاحظہ فرمائیں۔

فریاد جو کی حُر نے بصدِ اشک فشانِی  
گھبرا کے یہ بولا اَسد اللہ کا جانی  
حاضر ہے وہ جو کچھ مرے ہمراہ ہے پانی  
آ آئے حُر دیندار بچھا تشنہ دہانی  
ہم دوست کی تکلیف گوارہ نہیں کرتے  
پانی کو تو کافر سے بھی پیار نہیں کرتے  
حُر کو شہ والا نے دیا پانی کا ساغر  
سیراب ہوا جب تو پکا راوہ دلاور  
صدقے تڑے اے لختِ دل ساقی کوثر  
ٹھنڈا جگر و قلب ہو اروحِ معطر  
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے  
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے

پہلے بند کے دوسرے مصرعے ”گھبرا کے یہ بولا اَسد اللہ کا جانی“ میں حُر کی تشنہ دہانی پر حضرت امام حسین علیہ السلام کا پریشان ہو جانا جذبہ ہمدردی کو ظاہر کرتا ہے اور اسی بند کے ٹیپ کے مصرعوں سے میر انیس نے پانی کی اہمیت و ضرورت کو واضح کیا ہے کہ پانی ایسی چیز ہے جسے دشمن کو بھی پینے کے لئے بغیر کسی

تامل کے دے دینا چاہئے۔ خُراور اس کی فوج پیاسی ہے یہ سُنتے ہی مولا اپنے بھائی بھتیجے اور بیٹے کو جلد از جلد پانی لانے کا حکم دیتے ہیں۔ یہاں پر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ مولا نے اپنے مخالف کو اُس وقت، اور ایسے مقام پر پانی دیا جب کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس بھی صرف ضرورت بھر کا ہی پانی تھا اور جلدی کہیں آس پاس پانی ملنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ ایسے وقت میں ہمارے مولا پانی سے زیادہ پیاسوں کی پیاس کو اہمیت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ”دو پیاسوں کو پانی کہ ثواب اس کا بڑا ہے“ اور صرف اپنے عزیزوں کو ہی پانی پلانے کا حکم نہیں دیتے بلکہ خود بھی ”اک جام بھرے دست مبارک میں بڑھے شاہ“ اور جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے بھائی حضرت عباس علیہ السلام نے اپنے آقا کا یہ جذبہ خلوص و ایثار کو دیکھا تو با وفا بھائی نے بھی ”خود رکھ لیا مشکیزہ ہشتی نے کمر پر“ اور پوری فوج کو پانی سے سیراب کر دیا۔ خلوص و محبت اور ہمدردی و ایثار و قربانی کا اس سے اچھا نمونہ اور کہاں ملے گا کہ خُرخود پکا راٹھلے

صدتے ترے اے لختِ دل ساقی کوثر  
ٹھنڈا جگر و قلب ہو اروحِ معطر  
اور پھر آگے خُرخ کا شکریہ بجالانے کا یہ انداز  
خدمت سے غلاموں کی بھی اعراض نہیں ہے  
اس گھر سے زیادہ کوئی فیاض نہیں ہے  
سب کو سیراب کرنے کے بعد جب شہزادہ علی اکبر حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرماتے ہیں۔  
کثرت تو یہ تھی پیاسوں کی پانی کی یہ قلت  
سیراب ہوئے سب یہ ہے اعجاز و کرامت

تو حضرت امام حسین علیہ السلام کتنی خاکساری اور انکساری سے جواب دیتے ہیں۔

میں کیا ہوں یہ سب ہے کرم خالقِ اکرم  
اور جب یہی خُردسویں محرم کی صبح لشکرینِ یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل پر آمادہ پاتے ہیں تو اُن کا سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور جب وہ خیر و شر حق و باطل پر غور کرتے ہیں تو جہالت کے پردے اُن کے سامنے سے ہٹنے لگتے ہیں اور اُن کا ضمیر اُن کو آواز دیتا ہے کہ۔

ہیں جس طرف حسین وہ راہِ نجات ہے  
ظلمت یہ کفر کی ہے وہ آبِ حیات ہے  
ہے پاسِ دیں جسے وہ بشر خوش صفات ہے  
دُنیا کو چھوڑ، کون بڑی کائنات ہے  
گر ہو تو حق پرست کے دامن پہ ہاتھ ہو  
ساتھ اس ولی کا دے کہ خدا جس کے ساتھ ہو

ویسے تو میر انیس کا مرثیہ ”ہے شور آمد خُرخ فوج شاہ میں“ کے پیش کردہ بندوں کا ایک ایک لفظ اخلاقی درس سے پُر ہے۔ لیکن ان بندوں میں میر انیس نے کچھ مصرع ایسی خوبصورتی کے ساتھ نظم کئے ہیں جو سونے پر ہباگ جیسے معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً پہلے بند کا چوتھا مصرع ”دُنیا کو چھوڑ، کون بڑی کائنات ہے“ میں اُنھوں نے پورے دریا کو صرف ایک کوزے میں سمو دینے کا کام انجام دیا ہے۔ حق و سچائی، عدل و انصاف وغیرہ کی پاسداری و حفاظت میں اپنی جان کی بازی بھی لگا دینے کا نظریہ تو بڑے سے بڑے فلسفیوں، صوفیوں اور بُزرگوں نے بھی پیش کیا ہے لیکن بات کہنے کا یہ انداز سمجھانے کا یہ طریقہ کہ ایسا بھی نہ محسوس ہو کہ کوئی ہمیں تنبیہ کر رہا ہے اور تمام تر اخلاقی درس اتنے مؤثر پیرائے میں دیئے ہیں کہ بات دل کے اندر تک اُترتی چلی جاتی ہے۔ اخلاق کا ایسا

نایاب خزانہ ہمیں میر انیس کے مرثیوں کے علاوہ اور کہاں دستیاب ہو سکتا ہے۔ حُر کی پشیمانی اور شرمساری کے بھی چند بند پیش خدمت ہے۔ جس سے حضرت کے بلند خیالی اور بلند کردار نگاری پر بھی روشنی پڑتی ہے

آنکھیں سموں سے ملتا تھا رُو رو کے بار بار  
کہتا تھا اے شفیع دو عالم کے یادگار  
تقصیر دار ہے یہ غلام سیاہ کار  
تعزیز میں ہے بندے کی آقا کو اختیار  
جو دبتے سزاوہ مرے حق میں بد نہیں  
ایسا گنہ کیا ہے کہ کچھ جس کی حد نہیں

دُنیا کی جاہ و حشمت، ترقی و برتری، دولت و زر، بلندی و عظمت اگر کسی کی دل آزاری کرنے کے بعد، کسی کا حق چھیننے کے بعد، یا کسی پر ظلم و ستم ڈھانے کے عوض میں حاصل ہوتا ہے تو ایسی نعمتوں سے انسان کو گریز کرنا چاہئے۔ کیونکہ یہ دُنیا سرائے فانی ہے۔ اس لئے چار دن کی زندگی، انسان کو خدا اور رسولؐ کے بتائے ہوئے اصولوں پر بسر کرنی چاہئے۔ حضرت حُر کا نمونہ پیش کر کے میر انیس نے یہ بات ذہن نشین کر دی ہے کہ چونکہ حضرت امام حسین علیہ السلام نہ صرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے تھے بلکہ بذاتِ خود امامِ وقت تھے اور حق پر تھے اور حق کی پاسداری میں ہی انھوں نے ہر طرح کی مصیبتیں اٹھانا قبول کر لیا۔ اسی لئے حضرت حُر نے شر اور خیر کے پیمانے کو خوب اچھی طرح ناپنے اور تولنے کے بعد ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت میں جان قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ اُن کی نگاہ میں۔

گر کر کسی خود سر کو سنھلتے نہیں دیکھا  
مؤذی کو کبھی پھولتے پھلتے نہیں دیکھا

ان اشعار سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ میر انیس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے کردار کی عظمت کو پیش کرتے ہوئے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دولت و نام و نمود جاہ و حشمت انسانی کردار کی عظمت کے سامنے بے معنی ہیں اور جب حق و باطل برسرِ پیکار ہوتے ہیں تو گویا ظلمت کو مات ہوتی ہے اور نور کو فتح حاصل ہوتی ہے۔

بہر کیف میر انیس کی مُعجز بیانی قابل ستائش ہے اور مولانا حالی نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ مرثیہ ہی اُردو شاعری میں اخلاقی نظم کہلانے کا سب سے زیادہ مستحق ہے اور جن لوگوں نے اس صنف کے ذریعے اعلیٰ درجہ کے اعلیٰ مضامین مرثیے میں بیان کئے ہیں، جن میں میر انیس بھی شامل ہیں اُن کی نظیر فارسی بلکہ عربی شاعری میں بھی مشکل سے ملے گی۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب جو میر انیس کے سب سے بڑے محقق ہیں اور جن کی رائے اس معاملے میں صائب سمجھی جاتی ہے، انھوں نے بھی میر انیس کے مرثیوں کی اخلاقی بلندی کا اعتراف کیا ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ہم اخلاقی شاعری کا سب سے بڑا علم بردار بھی میر انیس ہی کو کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ میر انیس نے مرثیے میں ساری اصنافِ سخن کو سمو دیا ہے جس کی وجہ سے ان کے مرثیے دراصل نئے مرثیے کی ابتدا کہی جاسکتی ہے اس دور میں جب قدریں ٹوٹ رہی ہیں، مٹ رہی ہیں تو یہ سوال سامنے آتا ہے کہ میر انیس کے مرثیوں میں جن اخلاقی اقدار کا کثرت سے ذکر ہوا ہے وہ معاشرے میں ان مٹے نقوشِ مثبت کر سکتی ہیں اور یہ انسانیت کی بقاء کی ضامن بھی ہیں، میرے خیال میں یہ قدریں ہیں خدا شناسی اور خود شناسی، عقیدت اور ایمان شرافت اور عبادت، حق پرستی، غفور و کرم، شجاعت و جاں بازی، وفاداری اور جاں نثاری، صبر اور استقلال، حق کی راہ میں جان قربان کرنے کا وہ جذبہ جو شہادت کی منزل

تک پہنچا سکتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہ قدریں کبھی فنا نہیں ہو سکتیں اور یہ حق کی ضامن ہیں۔

حواشی:

- ۱۔ انبیات، سید مسعود حسن رضوی ادیب، ص ۱۰۶
- ۲۔ عظمتِ مراٹھی، سید رفیق حسین، ص ۷۵، ۷۴
- ۳۔ مقدمہ شعرو شاعری، خواجہ الطاف حسین حالی، ص ۱۸۲
- ۴۔ انبیات۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب، ص: ۱۱۴-۱۳۳
- ۵۔ اُردو مرثیے کا ارتقاء ڈاکٹر مسیح الزماں، ص ۳۶۳
- ۶۔ روحِ انیس۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب ص ۴۴
- ۷۔ انیس شخصیت اور فنِ پروفیسر سید فضل امام ص ۲۲۳-۲۰۶

